© rasailojaraid.com

بحث و نظر

(قسط 2)

جناب محمد مشتاق احمد
لیکچرر شعبۂ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی

# عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل

بعض اوقات مظالم کے باوجود ہجرت ناممکن یا نامناسب ہوتی ہے، مثلاً:

الف) جب مظلوموں کی تعداد لاکھوں میں ہو۔

ب) جب قریب ترین اسلامی ملک بہت دور ہو جہاں کثیر تعداد میں مسلمانوں کے لئے ہجرت کر کے جانا ناممکن ہو یا انتہائی حد تک مشکل ہو۔

ج) جب اسلامی ملک اتنی کثیر تعداد میں آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کے وسائل نہ رکھتا ہو۔

د) جب وہ غیر مسلم ملک انہیں ہجرت بھی نہ کرنے دیتا ہو۔

کیا ان صورتوں میں لاکھوں لوگوں کو گھر بار چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیا جائے؟ کیا اس سرزمین کو اسلام کے دشمنوں کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے؟ ایسی صورت میں جبکہ ظلم جاری ہو مظلوموں کے پاس کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا صرف یہی کہ صبر اور برداشت کا رویہ اختیار کریں اور دیگر مسلمانوں کی مدد طلب کریں؟ اگر باہر کے مسلمانوں کو اجازت ہے، بلکہ ان پر واجب ہے، کہ وہ ان کی مدد کے لئے طاقت کا استعمال کریں تو یہ خود اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کیوں طاقت استعمال نہیں کر سکیں گے؟ کیا صرف اس لئے کہ ان کی اپنی حکومت نہیں ہے؟ اگر ان کی اپنی حکومت ہوتی تو پھر اس ظلم کی نوبت ہی کیوں آتی؟ اگر وہ منظّم ہو کر ایک امیر کی اطاعت کا دم بھر کر قتال کریں تو شرعاً یا عقلاً اس پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟

یہ امر بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ شریعت نے فرد کو دفاع حق شخصی کے تحت طاقت کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ۔ (۶۳)

"اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔"

و الذین اذا اصابهم البغی هم ینتصرون ۔ و جزآء سیئة سیئة مثلها ۔ (۶۴)

"اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں ۔۔۔ برائی کا بدلہ اسی کے برابر کی سزا ہے۔"

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ دونوں آیات مکی ہیں۔ ابتدا میں مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو دفاع میں بھی طاقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے استعمال کی اجازت نہیں تھی ،تا ہم مکہ ہی میں آخری دور میں مسلمانوں کو یہ حق دے دیا گیا۔ یہ اجازت اس صورت میں دی گئی کہ ان کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ساڑھے سات سو سے زیادہ نہیں تھی ۔ کیا جن مظلوموں کی تعداد لاکھوں میں ہو اور انہوں نے اپنے حقوق کیلئے پر امن جدو جہد کا راستہ بھی آزمایا ہو ان کو اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی؟ اور اگر فرداً فرداً ایک ایک مظلوم کو یہ حق حاصل ہے، اور یقیناً ہے، تو اگر بہت سارے مظلوم مل کر ایک دوسرے کا تحفظ کریں تو اس میں کی قباحت ہے؟ بلکہ ایک طاقتور ظالم کے جبر سے بچنے کا بہتر طریقہ ہی یہی ہوتا ہے کہ مظلوم مل کر ایک دوسرے کا بچاؤ کریں ۔ یہ عقل کا بھی تقاضا ہے اور اوپر نقل کی گئی آیات بالخصوص سورۃ الشوریٰ کی آیات کا مقتضی بھی یہی ہے۔ ان آیات میں سچے مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ باہمی معاملات مشورے سے چلاتے ہیں، پھر کئی خصوصیات بیان کر دینے کے بعد کہا گیا ہے کہ مومنوں پر جب ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔ گویا دفاع کا زیادہ مناسب طریقہ یہی ہے کہ مسلمان اس کے لئے شورائیت پر مبنی اجتماعی جدو جہد کریں۔ آزادی کے لئے مسلح جدو جہد کرنے والی تنظیمیں اسی فلسفے پر قائم کی جاتی ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک اس کے جواز بلکہ ندب کے سلسلے مین کوئی ابہام نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ یہ جواز اور ندب بعض اوقات وجوب میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم ، و علمہ اتم و احکم ۔ (۶۵)

باقی رہا یہ سوال کہ اگر آزادی کی تحریکیں صرف استخلاص وطن کی بات کریں اور دین کی سربلندی کی بات نہ کریں تو ان کی جدو جہد کی شرعی حیثیت کیا ہوگی تو سطور بالا میں کی گئی بحث کی روشنی میں اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے ۔ شریعت نے صرف اس صورت میں ہجرت و جہاد کے احکام نہیں دیے جب دین پر عمل ممکن نہ ہو بلکہ جیسا کہ سورۃ الشوریٰ اور سورۃ النحل کی آیات سے واضح ہے شریعت نے فرد کے لئے ظلم کے خلاف طاقت کے استعمال کو اس صورت میں بھی جائز قرار دیا ہے جب اسلامی ریاست وجود میں نہ آئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے جان، مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو بھی شہید قرار دیا ہے:

من ارید مالہ بدون حق فقاتل فقتل دون مالہ فھو شھید ۔ (۶۶)

’’جس کا مال چھینا جا رہا ہو اور وہ مزاحمت کرتے ہوئے قتل کیا گیا تو وہ شہید ہے۔‘‘

من قتل دون مالہ فھو شھید ، و من قتل دون دینہ فھو شھید ، و من قتل دون دمہ فھو شھید ، و من قتل دون اھلہ فھو شھید۔ (۶۷)

’’جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے خاندان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے۔‘‘

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من قتل دون مظلمته فهو شهيد ۔ (۶۸)

''جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے۔''

پس استخلاص وطن کی تحریک یقیناً جہاد کے مفہوم میں شامل ہے چاہے نفیاً یا اثباتاً دین کی سربلندی کی بات نہ کی جائے۔ البتہ اگر آزادی کی تحریک کے رہنما غیر اسلامی نظام یا مقاصد کے حصول کے نعرے بلند کریں تو ایسی صورت میں اس تحریک کو جہاد نہیں کہا جاسکے گا، اگرچہ افراد کو حق دفاع شخصی پھر بھی حاصل رہے گا۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اگر غیر مسلموں کے حملے میں مسلم حکومت شکست کھا جائے تو پھر مسلح جدوجہد جاری رہے گی یا نہیں تو یہ اجتہادی مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کے ارباب حل وعقد حل کریں گے۔ اس سلسلے میں مختلف آرا ہوسکتی ہیں: کسی کو مسلح مزاحمت نامناسب اور نقصان دہ نظر آئے گی اور وہ مسلمانوں کی بچی کھچی طاقت کو جنگ سے گریز کرکے بچانے کی کوشش کریں گے اور کوئی مسلح مزاحمت ہی کو صحیح لائحہ عمل مان کر جدوجہد جاری رکھیں گے۔ ایک بات بہرحال طے شدہ ہے کہ دارالاسلام جب غیر مسلموں کے قبضے میں چلا جائے تو اسے چھڑانے اور اس پر سے غیر مسلموں کا تسلط ختم کرنے کی کوشش فرض عین ہوگی۔ البتہ طریق کار میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ مسلح جدوجہد کرنے والوں اور پرامن ذرائع اختیار کرنے والوں کے درمیان ہم آہنگی اور رابطہ بھی ضروری ہے۔ نیز ایسی صورت میں مسلح جدوجہد کے لئے ریاست یا حکومت کی شرط باقی نہیں رہے گی، بلکہ وہ اس کا بدل یا قائم مقام وجود میں لا کے جدوجہد کرسکتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر جہاد مقرر کرکے اس کی اطاعت کا اقرار کریں اور اس کی سربراہی میں قتال کریں۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ ایسی صورت میں غیر مسلم قابضین کے خلاف پرامن جدوجہد تو جائز ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں، یا ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طاقت استعمال کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے:

من حمل السلاح علينا فليس منا ۔ (۶۹)

''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

پس اگر چند مسلمان حملہ آوروں کا ساتھ دے رہے ہوں تو ان کے خلاف کاروائی محض اس وجہ سے ناجائز نہیں ہوجائے گی کہ وہ نام کے مسلمان ہیں۔ فقہا نے صراحت کی ہے کہ اگر مسلمان غیر مسلموں کے قیدی ہوں اور غیر مسلموں پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کے نشانہ بننے کا بھی اندیشہ ہو تب بھی حملہ جائز ہوگا بشرطیکہ حملے میں مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا قصد نہ کیا جائے، انہیں بچانے کی ہرممکن کوشش کی جائے اور حملہ بہرحال ناگزیر ہو۔ (۷۰) یہ وہ صورت ہے جب مسلمان ان کے قیدی ہوں۔ پس ایسی صورت میں تو حملہ بدرجہ اولی جائز ہوگا جب چند نام کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان قابضین کی فوجی کاروائی میں ان کا ساتھ بھی دے رہے ہوں۔

## فریضۂ دفاع کی وسعت اور اعانت کی حدود

### اولاً: دفاع کا فریضہ اور مسلم ممالک

جیسا کہ واضح کیا گیا دفاع نہ صرف ایک فطری حق ہے بلکہ شرعی فریضہ بھی ہے۔ایک مسلمان ملک پر حملہ پوری امت مسلمہ پر حملہ تصور ہوگا اور سب پر دفاع کا فریضہ عائد ہوگا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و ما لكم لا تقاتلون في سبيل الله و المستضعفين من الرجال و النساء و الولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها، و اجعل لنا من لدنك وليا و اجعل لنا من لدنك نصيرا ۔ (۷۱)

''تمہیں ہوا کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑ رہے جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جانب سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کر دے۔''

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حملے کی زد میں آئے ہوئے علاقے کے لوگ اگر حملے کے خلاف دفاع نہ کر سکتے ہوں تو ان کے مجاور علاقوں پر یہ فریضہ عائد ہوگا۔ پھر اگر وہ بھی دفاع کی اہلیت نہ رکھتے ہوں یا وہ فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو ان کے بعد کے علاقوں پر فریضہ عائد ہوگا، یہاں تک کہ یہ فریضہ دنیا کے تمام مسلمانوں پر عائد ہو جائے گا۔

ان الجهاد اذا جاء النفير انما يصير فرض عين على من يقرب من العدو ۔ فاما من ورائهم ببعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذا لم يحتج اليهم ۔ فان احتيج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو، او لم يعجزوا عنها لكنهم تكاسلوا و لم يجاهدوا، فانه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلوٰة و الصوم لا يسعهم تركه ۔ ثم و ثم الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقا و غربا على هذا التدريج ۔ نظيره الصلوٰة على الميت، ان كان الذى يبعد من الميت يعلم ان اهل محلته يضيعون حقوقه او يعجزون عنه كان عليه ان يقوم بحقوقه، كذا هنا ۔ (۷۲)

''نفیر عام کی صورت میں جہاد ہر اس شخص پر فرض عین ہو جاتا ہے جو دشمن سے قریب تر ہو۔اور جو دشمن سے دور ہوں تو ان کے لئے یہ اس وقت تک فرض کفایہ ہوتا ہے جب تک جنگ میں ان کی شرکت کی ضرورت نہیں ہوتی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وجہ سے ان کے لئے اس جنگ سے الگ رہنے کا موقع ہو۔ پس اگر اس وجہ سے ان کی ضرورت پڑے کہ دشمن کے قریب کے لوگ کمزور ہیں یا کمزور نہیں ہیں مگر دفاع میں کوتاہی کر رہے ہیں تو ان کے بعد والوں پر یہ نماز اور روزے کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے جس کا ترک کرنا ان کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح دوسروں کی باری آئے گی یہاں تک کہ بتدریج شرقاً وغرباً تمام اہل اسلام پر یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال میت کی نماز جنازہ کی ہے۔ اگر میت سے دور رہنے والا جانتا ہو کہ اس کے پڑوس کے لوگ اس کے حقوق ضائع کریں گے یا وہ ان کی ادائیگی سے عاجز ہیں تو اس پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے۔ بعینہ اسی طرح اس صورت میں بھی ہوگا۔"

گویا اسلامی ملک پر حملے کو کوئی مسلمان پرایا جھگڑا نہیں سمجھے گا، بلکہ دفاع کو اپنا فریضہ سمجھ کر ہوشیار اور بیدار رہے گا، کیونکہ کسی بھی وقت یہ امکان ہو سکتا ہے کہ یہ فریضہ اس کے حق میں فرض عین ہو جائے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسلامی ملک پر حملے کی صورت میں پوری امت مسلمہ میں ایک ایمرجنسی کی سی کیفیت پیدا ہو۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مجاور علاقوں پر فریضہ عائد ہونے کا سبب یہ ہے کہ دور کے علاقوں کی بہ نسبت وہ حملے کے خلاف دفاع کی زیادہ بہتر پوزیشن پر ہوتے ہیں۔ پس اگر قریب کے علاقے یہ فریضہ احسن طریقے سے نہیں نبھا سکتے یا وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو دور کے علاقے اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ موجودہ دور میں جبکہ ذرائع مواصلات نے بہت ترقی کی ہے قرب و بعد کے پیمانے بہت تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب تو شاید زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ کس مسلمان ملک کے پاس زیادہ بہتر ہتھیار پائے جاتے ہیں؟ کس ملک کی معاشی پوزیشن زیادہ مستحکم ہے؟ کونسا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے ہے۔ جو جتنی زیادہ اہلیت رکھے گا اس پر فریضہ دوسرے کی بہ نسبت زیادہ جلدی عائد ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ عین ممکن ہے کہ مجاور ملک کی بہ نسبت ایک دور دراز کے ملک ،جس کے پاس ایٹمی ہتھیار بھی ہوں اور وہ ٹیکنالوجی کے لحاظ سے بھی آگے ہو، پر دفاع کا فریضہ جلدی عائد ہو۔ یہاں ایک بار پھر اس امر کی طرف توجہ ہو کہ دفاع کا فریضہ عام حالات میں فرض کفائی ہے جو بعض اوقات فرض عین بھی بن جاتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان ملک اور ہر مسلمان فرد کو خود غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا اس کے حق میں اس کی حیثیت فرض کفائی کی ہے یا یہ اس کے حق میں فرض عین کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دفاع کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک کے درمیان باہمی رابطے بہتر ہوں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ دفاعی اور معاشی بندھنوں میں بندھ جائیں۔ اس سلسلے میں یورپی یونین اور معاہدۂ شمالی اوقیانوس کی تنظیم (نیٹو) کے تجربات سے بہت کچھ دروس و عبر حاصل ہو سکتے ہیں۔ نیٹو ممالک نے آپس میں دفاعی معاہدہ کر کے ''اجتماعی دفاع'' کے تصور کو ایک بہترین عملی شکل دے دی ہے۔ ایک ممبر ملک پر حملہ سب پر حملہ تصور ہوتا ہے اور سب مل کر حملہ آوروں کے خلاف کارروائی کرتے ہیں۔ اس طریق کار کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین الاقوامی قانون نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ ۵۱ نے مختلف ممالک کے اجتماعی حق دفاع کو سند جواز دی ہے۔ بین الاقوامی عدالت انصاف نے بھی اس طریق کار کو جائز ٹھہرایا ہے۔ (۷۳) اس اجتماعی حق دفاع کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں قرب و بعد کی بات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کوئی سے دو یا زائد ممالک، جو مشترکہ مفاد رکھتے ہوں، آپس میں دفاعی معاہدہ کر کے اجتماعی حق دفاع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے درمیان بحر شمالی اوقیانوس حائل ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس طریق کار سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

امت مسلمہ کے اجتماعی حق دفاع کے متعلق البتہ یہاں یہ بات واضح ہو کہ اس کی بنیاد کسی دفاعی معاہدے پر نہیں، بلکہ امت کے تصور پر ہے اور یہ امت پر اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے عائد کردہ فریضہ ہے۔ اسلئے اگر دو اسلامی ممالک میں دفاعی معاہدہ نہ بھی ہو تو ان پر لازم ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔ تاہم موجودہ بین الاقوامی نظام اور قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر مسلمان ممالک آپس میں دفاعی معاہدات بھی کر لیں تو وہ بہت سی پیچیدگیوں سے بچیں گے۔

## ثانیاً: دفاع کا فریضہ اور افراد امت

جیسا کہ پچھلی سطور میں واضح کیا گیا، امت کے ہر خطے اور ہر فرد کا دفاع ایک فرض کفائی ہے جو بعض اوقات فرض عین بن جاتا ہے۔ فرض عین ہو جانے کی صورت میں اذن والدین یا اذن امام کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم، جیسا کہ پیچھے حنبلی فقیہ ابن قدامہ کے حوالے سے واضح کیا گیا، دفاع کی صورت میں بھی افراد کی اولین کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اسے حکومت کے ماتحت رہ کر ادا کیا جائے۔ اگر حکومت اپنا فریضہ ادا نہیں کرتی تو اسے اس پر مجبور کرنا چاہیے۔ بلکہ دفاع کے فریضے میں کوتاہی برتنے والی حکومت اپنا جواز ہی کھو بیٹھتی ہے۔ حکومت اور ریاست شریعت پر بہتر طریقے سے عمل کرنے کے لئے وجود میں لائی جاتی ہیں، ورنہ وہ خود مقصود بالذات نہیں۔ اگر ریاست یا حکومت اپنا فریضہ ادا کرنے پر تیار نہ ہو اور حکومت کی تبدیلی بھی بہت دور کی بات لگتی ہو جبکہ دفاع کا فریضہ فوری طور پر ادائیگی کا متقاضی ہو تو اس صورت میں اذن امام کی شرط ساقط ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے صراحت کی ہے:

اما اذا عم النفير بان هجم العدو على بلد فهو فرض عين يفترض على كل واحد من آحاد المسلمين ممن هو قادر عليه۔ فاذا عم النفير لا يتحقق القيام به الا بالكل، فبقي فرضا على الكل عينا بمنزلة الصوم و الصلوٰة۔ فيخرج العبد بغير اذن مولاه و المرءة بغير اذن زوجها، لان منافع العبد و المرءة في حق العبادات المفروضة عينا مستثناة عن ملك المولى و الزوج شرعا، كما في

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الصوم و الصلوۃ۔ و کذا یباح للولد ان یخرج بغیر اذن الوالدین، لان حق الوالدین لا یظہر فی فروض الاعیان کالصوم و الصلوۃ۔ (۷۴)

''البتہ جب نفیر عام کی صورت ہو، مثلاً جب دشمن کسی علاقے پر حملہ کر دے تو جہاد فرض عین کی صورت میں ہر مسلمان فرد پر، جو اس کی مقدرت رکھتا ہو، لازم ہو جاتا ہے۔ پس نفیر عام کی صورت میں، جبکہ سب کے حصہ لیے بغیر فرض کی ادائیگی نہیں ہو سکتی، جہاد ہر فرد پر نماز اور روزے کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اور عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر فرض کی ادائیگی کے لئے نکلے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فروض اعیان کی صورت میں آقا اور شوہر کی ملکیت سے غلام اور بیوی کے منافع مستثنیٰ ہوتے ہیں، جیسے نماز اور روزے کا معاملہ ہے۔ اسی طرح بیٹے کو نکلنا ہوگا خواہ اس کے والدین نے اجازت نہ دی ہو کیونکہ والدین کی اجازت فروض اعیان، جیسے نماز اور روزے، کی صورت میں مؤثر نہیں ہوتی۔''

جو مسلمان حملے کی زد میں آئے ہوئے ہوں وہ، جیسا کہ پیچھے واضح کیا گیا، کسی امیر کی اطاعت میں ہی کاروائی کریں گے۔ ایسی صورت میں ان کی مدد کے لئے جانے والے بھی اس ریاست کے حکمران یا امیر جہاد کی اطاعت میں دفاع کا فریضہ ادا کریں گے۔

## ثالثاً: دفاع کا فریضہ اور اعانت کی حدود

جہاں تک ایسی صورت میں اعانت کی حدود کا معاملہ ہے تو وہ حالات پر منحصر ہے۔ بعض اوقات محض اخلاقی مدد (مثلاً حملے کو ناجائز قرار دینا، حملے کی زد میں آئے ہوئے لوگوں کو مظلوم قرار دینا، دفاع کا فریضہ ادا کرنے والوں کو خراج تحسین پیش کرنا وغیرہ) بھی کافی ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سفارتی مدد (جیسے بین الاقوامی رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کرنا، حملہ آوروں پر سیاسی دباؤ ڈالنا، اسے بین الاقوامی برادری میں تنہا کرنا وغیرہ) بھی ضروری ہوتا ہے اور اس کے بغیر محض اخلاقی مدد سے کام نہیں چلتا۔ تاہم بعض حالات میں سفارتی اور سیاسی مدد بھی کافی نہیں ہوتی، بلکہ عملی مدد (جیسے مظلوموں تک ادویات کی رسائی، مہاجرین کی آبادکاری کے لئے کوشش کرنا، مزاحمت کرنے والوں کی مالی امداد، انہیں پناہ گاہیں فراہم کرنا وغیرہ) بھی لازم ہو جاتی ہے۔ اور بعض صورتوں میں باقاعدہ جنگ میں شرکت بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ مختصراً یہ کہ مدد کی حیثیت فرض کفائی کی ہو جاتی ہے۔ مدد کی مختلف صورتوں کو ضرورت کے مطابق اختیار کیا جائے گا۔ رہنما اصول اس سلسلے میں یہ ہے کہ کسی طور حملہ آوروں کو بلاد اسلام سے واپس دھکیلنا اور بلاد اسلام میں امن کی فضا بحال کرنا ہے، اس کے لئے جو اقدام ضروری ہو وہ اٹھایا جائے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض اشخاص پر مدد کی ایک صورت لازم ہو اور بعض پر کوئی دوسری۔ البتہ یہاں پھر یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اگر حملے کا جواب بغیر فوجی مدد کے ممکن نہ ہو تو محض اخلاقی یا سفارتی بلکہ مالی مدد سے بھی اعانت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرض ادا نہیں ہوگا۔ قرآن کے الفاظ اس معاملے میں بالکل واضح ہیں کہ مظلوموں کی مدد کے لئے فوجی طاقت استعمال کرنا بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے اور یہ واجب صرف فوجی اعانت سے ہی ادا ہوتا ہے۔

و ما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا، و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا۔ (۷۵)

''تمہیں ہوا کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑ رہے جو کمزور پاکر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جانب سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کردے۔''

و ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق۔ (۷۶)

''اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہو۔''

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ اقوام متحدہ کے چارٹر نے بھی دفعہ ۵۱ کے تحت سلامتی کونسل کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ یہ سمجھے کہ کسی ملک سے دنیا کے امن کو خطرہ ہے تو وہ اس کے خلاف فوجی کاروائی کر سکتی ہے۔ اور یہ بات بھی بین الاقوامی قانون کے تحت مسلمہ ہے کہ ''دنیا کے امن کو خطرہ'' کسی ملک کی حکومت کی جانب سے اپنی رعایا پر ظلم یا کسی ملک کے اندر جاری خانہ جنگی سے بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ بعض ممالک تو اس کے قائل ہیں کہ ''انسانی ہمدردی کی بنیاد پر فوجی مداخلت'' (Humanitarian Intervention) کے لئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی اجازت لازمی نہیں ہے۔ ان کا موقف ہے کہ یہ حق انفرادی طور پر ملک یا ممالک کو بھی حاصل ہے۔ سربیا پر نیٹو کی بمباری کے لئے جو جواز بیان کئے جاتے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔ تاہم اکثر ممالک کا موقف یہ ہے کہ کوئی ملک سلامتی کونسل کی اجازت کے بغیر ایسی کاروائی نہیں کر سکتا۔ (۷۷) پس مسلمان ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے فورم پر بھرپور کردار ادا کریں اور اپنے موقف کو واضح کرنے کے لئے مشترکہ لائحہ عمل اور باہمی تعاون کی راہ اختیار کریں۔

## جہاد اور معاہدات

### اولاً: غیر مسلموں کے ساتھ امن کے معاہدات کا جواز اور امن معاہدات کی اقسام

جہاد کے حوالے سے ایک اہم بحث معاہدات کی ہے۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ فقہاء غیر مسلموں کے ساتھ امن کے معاہدے (موادعۃ یا مھادنۃ) کو ناجائز یا کم از کم غیر مناسب تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح مشہور ہے کہ وہ کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے ملک میں مقیم غیر مسلموں کے ساتھ صرف اس صورت میں امن کے معاہدے کو جائز ٹھہراتے ہیں جب وہ موقت ہو، اور یہ کہ وہ صرف ایک ہی موبد معاہدے کو مانتے ہیں اور وہ ہے عقد ذمہ جس کے تحت غیر مسلم اسلامی ملک کے باشندے بن جاتے ہیں۔ (۷۸) یہ مفروضات صحیح نہیں ہیں اور ان کی بنا یہ قول ہے کہ قتال کی علت کفر یا شوکت کفر ہے۔ پچھلی سطور میں تفصیل سے واضح کیا گیا کہ فقہاء کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ قتال کی علت محاربہ ہے۔ پس ان غیر مسلم قوموں کے ساتھ امن کا معاہدہ کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے جو اسلام یا مسلمانوں کے خلاف محاربے کا ارتکاب نہیں کرتیں، بلکہ محاربین بھی جب امن کی طرف میلان دکھائیں تو ان کے ساتھ معاہدہ کرلینا چاہیے، سوائے اس صورت کے جب معاہدے سے مسلمانوں کو کوئی سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی اللہ۔ (۷۹)

''اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فلا تهنوا و تدعوا الی السلم و انتم الاعلون و اللہ معکم و لن یترکم اعمالکم۔ (۸۰)

''پس تم ہمت ہار کر صلح کی درخواست نہ کرو، تم ہی غالب رہنے والے ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، وہ ہرگز تمہارے اعمال ضائع نہیں کرے گا۔''

بعض لوگ سورۃ التوبۃ کی آیات سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد غیر مسلموں کے ساتھ امن کے معاہدے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

براءة من اللہ و رسولہ الی الذین عاهدتم من المشرکین۔ (۸۱)

''اعلان براءت ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔''

لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اولاً تو یہ آیات رسول اللہ ﷺ کے جہاد کے ایک خاص پہلو، اتمام حجت، سے تعلق رکھتی ہیں، جیسا کہ پیچھے تفصیل سے واضح کیا گیا، اور ان کا حکم عام نہیں کیا جاسکتا۔ ثانیاً امام ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں کہ ان آیات کا حکم عام بھی سمجھا جائے تو ان سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ امن کا معاہدہ اب جائز نہیں رہا۔ اس کے برعکس ان آیات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاہدے پر عمل لازم ہے اور اگر اسلامی ملک معاہدے کی ذمہ داریوں سے سبکدوش بھی ہونا چاہے تو وہ اس کی اطلاع باقاعدہ طور پر دوسرے فریق کو دے گا اور اسے کافی مہلت بھی دے گا۔ ابن القیم کے قول کے مطابق ان آیات کے نزول کے وقت کفار کی چار قسمیں تھیں (۸۲):

۱) وہ کفار جن کیساتھ کوئی امن کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں کو چار اشہر حرم کے ختم ہونے تک مہلت دی گئی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و اذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین و رسولہ۔ (۸۳)

''اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لئے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے، اور اس کا رسول بھی۔''

فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم۔ (۸۴)

''پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ۔''

۲) وہ کفار جن کے ساتھ امن کا معاہدہ موقتاً ہوا تھا اور انہوں نے نقض معاہدہ بھی نہیں کیا تھا۔ ایسے لوگوں کے متعلق حکم دیا گیا کہ ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں پر وقت مقررہ تک پوری طرح عمل کیا جائے۔

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم۔ (۸۵)

''بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے پھر انہوں نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مقررہ مدت تک عہد پورا کرو۔''

۳) وہ کفار جن کے ساتھ امن کا معاہدہ موقتاً ہوا تھا لیکن وہ نقض عہد کے مرتکب ہو چکے تھے؛ اور

۴) وہ کفار جن کے ساتھ امن کا معاہدہ مطلقاً ہوا تھا۔

ان موخر الذکر دونوں گروہوں کو چار مہینے کا الٹی میٹم دیا گیا۔

براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر و اعلموا انکم غیر معجزی اللہ و ان اللہ مخزی الکفرین۔ (۸۶)

''اعلان براءت ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔ پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو۔ اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ منکرین حق کو رسوا کرنے والا ہے۔''

امن معاہدات کے عدم جواز کی ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ یہ جہاد کی فرضیت کو ساقط کرنے کے مترادف ہے۔ یہ استدلال بھی قطعاً غلط ہے۔ اگر جہاد کا مقصد قتال کے بغیر معاہدے کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہو اور قتال کی علت محاربہ ہو جو مفقود ہو تو خواہ مخواہ قتال کی کاروائی کے لئے جواز کہاں سے فراہم کیا جائے گا؟ فقہاء کی غالب اکثریت نے جب محاربے کو قتال کی علت قرار دیا تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ امن معاہدہ موقتاً بھی جائز ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مطلقاً بھی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

امام شافعی سے اس سلسلے میں دو اقوال مروی ہیں۔ ایک یہ کہ موادعة میں وقت کی قید بیان کرنا ضروری ہے اور ایک وقت میں دس سال سے زائد مدت کے لئے موادعة نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو دس سال بعد پھر مزید مدت کا اضافہ کیا جا سکے گا۔ [۸۷] اس قول کی بنیاد یہ ہے کہ قتال کی علت کفر یا شوکت کفر ہے۔ اس قول کی غلطی ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں۔ دوسرا قول امام شافعی سے یہ مروی ہے کہ موادعة وقت کی قید کے بغیر مطلقاً بھی جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی یہی دو قول مروی ہیں اور ابن القیم نے اسی دوسرے قول کی ترجیح دی ہے۔ [۸۸] حنفیہ کا تو مسلک ہی یہی ہے کہ موادعة موقتاً بھی کیا جا سکتا ہے اور مطلقاً بھی۔ وقت کی قید مقرر کرنا یا اسے مطلق چھوڑ دینا حکمران کے اجتہاد پر منحصر ہے اور وہ پابند ہے کہ ہر فیصلہ امت مسلمہ کے مفاد اور مصلحت کو مدنظر رکھ کر کرے [۸۹] یہی قول مالکیہ کا ہے۔ [۹۰]

جمہور فقہاء موادعة کو، چاہے وہ مطلق ہو یا موقت، عقد لازم سمجھتے ہیں، یعنی کوئی بھی فریق دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر یکطرفہ طور پر معاہدہ ختم نہیں کر سکے گا۔ حنفیہ ہر دو صورتوں میں اسے عقد غیر لازم قرار دیتے ہیں، یعنی کوئی بھی فریق اسے کسی بھی وقت یکطرفہ طور پر ختم کر سکے گا، البتہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر وہ اسے یکطرفہ طور پر ختم کر رہے ہوں تو دوسرے فریق کو اپنے فیصلے سے صراحتاً آگاہ کر دیں اور انہیں احتیاطی تدابیر اپنانے کا پورا موقع دیں:

و اما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء۔ [۹۱]

''اور اگر تمہیں کسی قوم کی جانب سے خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔''

امام ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ مطلق ہونے کی صورت میں موادعة غیر لازم ہوتا ہے، جبکہ موقت ہونے کی صورت میں لازم ہوتا ہے۔ یہ ان کی اس تفسیر سے موافق ہے جو انہوں نے سورۃ التوبۃ کی آیات کے متعلق پیش کی۔

بین الاقوامی قانون میں بھی ابتدا ہی سے دو مکاتب فکر رہے ہیں؛ ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ امن کا معاہدہ غیر لازم ہوتا ہے اور دوسرے فریق کا کہنا ہے کہ یہ لازم ہوتا ہے۔ ''معاہدات کے متعلق میثاق ویانا'' میں اس موخر الذکر رائے کو مانا گیا ہے۔ [۹۲] تاہم اب بھی ماہرین کی معتدبہ تعداد اس کی قائل ہے کہ امن کا معاہدہ غیر لازم ہوتا ہے۔ [۹۳] (جاری ہے)

---

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

© rasailojaraid.com